Payam-i-Iqbal Bahria Research Journal on Iqbal Studies (BRJIS)
5(2), 15-37, 2026

فکرِ اقبال میں تصوّرِ تعلیم: عقل، مشاہدہ اور عشق کا امتزاج

Iqbal's Philosophy of Education: Reason, Observation, and *Ishq* (Love)

Muhammad Asghar Sial, Ph.D., Post Doctorate
The Islamia University of Bahawalpur, Bahawalpur
muhammadasghar@iub.edu.pk

Muhammad Anwar
FG Public School Boys, Bahawalpur
anwarsial92@gmail.com

Abstract

Allama Muhammad Iqbal (1877–1938) was one of the most highly educated intellectuals of the Indian subcontinent. He received both traditional and Western education, which enabled him to observe closely the methods and philosophies of both systems. He stressed throughout his academic and professional life that the basis of knowledge is the observation of nature, inductive reasoning, and experiential research principles taken from the *Qur'an* and the *Sunnah*. Contrary to Greek philosophy, Iqbal regarded sensory perception, experience, and the observation of nature as the true sources of knowledge. This paper aims to demonstrate, through an analysis of Iqbal's lectures, letters, and poetic works, that the ultimate purpose of education in his view is the awakening of the individual *Khudi* (self), the strengthening of the collective self, and the harmonious relationship between the two. Furthermore, Iqbal critically examined the perils of secular education and the dangers inherent in relying solely on material knowledge detached from religion. He asserted that the true spirit of learning lies in the synthesis of *'ilm* (knowledge) and *'ishq* (love) and in the integration of spiritual and modern education a combination that not only acquaints humanity with the material realities of the universe but also fosters spiritual growth and moral development. The paper concludes that in the modern era, Iqbal's educational philosophy offers a comprehensive and practicable model for Muslim societies, providing a balanced framework that harmonizes the material and spiritual dimensions of human existence.

Keywords: Educational philosophy, *Khudi*, collective self, fundamental purpose of education, secular education, spiritual and moral training

کلیدی الفاظ: علامہ اقبال، نظریہ تعلیم، خودی، اجتماعی خودی، مشاہدہ فطرت، تعلیم کا بنیادی مقصد، سیکولر تعلیم کے نقصانات، روحانی و اخلاقی تربیت

علامہ محمد اقبال (۱۸۷۷ء-۱۹۳۸ء) بر عظیم کے اعلیٰ تعلیم یافتہ دانش ور تھے۔ انھوں نے روایتی اور مغربی تعلیم حاصل کی۔ انھیں جدید و قدیم طریقہ ہائے تدریس کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ انھوں نے اپنی تدریسی و عملی زندگی میں اس حقیقت کو اجاگر کیا کہ علم کی بنیاد مشاہدہ فطرت، استقرائی استدلال اور تجربی تحقیق پر استوار ہے جو دراصل قرآن و سنت سے اخذ شدہ ہے۔ یونانی فلسفے کے بر عکس علامہ اقبال نے محسوسات، حسیات اور مشاہدۂ فطرت کو حقیقی علم کا سرچشمہ قرار دیا۔ اس مقالے میں اقبال کے خطبات، خطوط اور شعری متون کی روشنی میں یہ واضح کیا جائے گا کہ علامہ اقبال کے نزدیک تعلیم کا بنیادی مقصد فرد کی خودی کی بیداری، اجتماعی خودی کا استحکام اور دونوں کے مابین ہم آہنگی کا فروغ ہے۔ علاوہ ازیں

،انھوں نے سیکولر تعلیم کے خطرات اور مذہب سے ہٹ کر صرف مادی علم پر انحصار کے نقصانات پر بھی تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔انھوں نے واضح کیا کہ اصل روح علم و عشق اور جدید تعلیم کی کے امتزاج میں پوشیدہ ہے، جو انسان کو نہ صرف کائنات کی مادی حقیقتوں سے آگاہ کرتی ہے بلکہ روحانی ارتقا اور اخلاقی تعمیر کا ذریعہ بھی بنتی ہے۔اس مقالے میں واضح کیا جائے گا کہ موجودہ دور میں اقبال کا نظریہ تعلیم مسلمان معاشروں کے لیے ایک ایسا ہمہ گیر اور قابلِ عمل نمونہ ہے جو مادی و روحانی دونوں پہلوؤں میں توازن پیدا کرتا ہے۔

تحقیقی مقاصد

1. تعلیم کے فروغ میں فکرِ اقبال کا جائزہ لینا۔
2. پاکستان کے نظامِ تعلیم کو فکرِ اقبال کے تناظر میں ترتیب دینے کے لیے علامہ اقبال کے تعلیمی نظریات کا مطالعہ کرنا۔
3. علامہ اقبال کی نظر میں حصول کے بنیادی ذرائع کا تخصیصی مطالعہ کرنا۔

سوالاتِ تحقیق

1. اقبال کے نظریہ تعلیم میں خودی کی مرکزیت اور ارتقا کیسے ممکن ہے؟
2. فکرِ اقبال کی روشنی میں علم کی اساس مشاہدہ اور تجربہ کیوں ہے؟
3. اقبال کا نظریہ تعلیم اور مغربی فلسفۂ تعلیم میں کیا اختلاف ہے؟
4. فرد اور معاشرے کی خودی کی بیداری اور استحکام کے مابین اشتراک و ہم آہنگی کس طرح ممکن ہے؟
5. عصرِ حاضر میں اقبال کا نظریہ تعلیم مادی و روحانی پہلوؤں میں کس طرح توازن قائم کر سکتا ہے؟

تحقیقی طریقہ کار

تکمیلِ مقالہ میں نظری و متنی طریقہ ہائے تحقیق کو بروئے کار اختیار کیا گیا ہے۔ تقابلی جائزے کے ذریعے تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ تعلیم کے وسیع مقاصد اور عصرِ حاضر میں اس کے حصول کے اساسی ذرائع کو فکرِ اقبال کی روشنی میں پرکھنے کی سعی کی گئی ہے۔ اقبال کے ہاں تعلیم محض معلومات کے حصول کا نام نہیں بلکہ خودی، کردار، تخلیقی قوت اور مقصدِ حیات کی تعمیر کا وسیلہ ہے جو عقل، مشاہدہ اور عشق کے ذریعے تشکیل پاتا ہے۔ بانگِ درا، بالِ جبریل، ضربِ کلیم اور تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ میں تعلیم، فرد اور ملت کے باہمی تعلق پر اہم مباحث ملتے ہیں۔ زیرِ نظر موضوع کو تعلیمی مقاصد و اسلامی ضروریات کے تناظر میں وسیع تر مطالعہ سے نتائج اخذ کیے گئے ہیں تاکہ ان کے ماحصل و سفارشات کو عملی طور پر لاگو کیا جا سکے۔

سابقہ تحقیقی ادب و خلا

اردو ادب میں تعلیم کو افراد کی تربیت کے لیے لازمی قرار دیا گیا ہے۔ مذہبی سطح پر تعلیم کی اہمیت متعین ہے۔ مختلف ادبا و شعرا نے تعلیم کے ذریعے اخلاقی، فکری اور معاشرتی اصلاح کا کام لیا ہے۔ برعظیم میں سر سید احمد خان (۱۸۱۷ء-۱۸۹۸ء)، محمد حسین آزاد (۱۸۳۰ء-۱۹۱۰ء)، مولانا

الطاف حسین حالیؔ(۱۸۳۷ء–۱۹۱۴ء) اور مولانا شبلی نعمانی (۱۸۵۷ء-۱۹۱۴ء) نے اپنے اپنے انداز میں تعلیم و تربیت کی مساعی کیں۔ان میں سر سید احمد خان کی خدمات نمایاں ہیں۔انھوں نے علی گڑھ تحریک کے ذریعے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ مغربی تعلیمی نظریات کی روشنی میں انھوں نے انگریزی اور سائنسی علوم کی طرف خصوصی توجہ دی۔ وہ مغرب سے اس قدر مرعوب تھے کہ انھوں نے اُن کی ترقی سے متاثر ہو کر اسی طرز کے ادارے کی بنیاد رکھی۔ مسلمانانِ ہند کی تعلیمی اصلاح و فلاح میں انھوں نے آخری دم تک اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ علامہ اقبال اُن سے الگ نظریہ تعلیم رکھتے تھے۔اس تحقیق میں اسے اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تحقیقی طور پر اقبال کے نظریہ تعلیم کے عناصر کو تین سطح پر پرکھنے کی ضرورت ہے۔

فکرِ اقبال میں تصور تعلیم

تعلیم انسانی ارتقا اور تہذیب کے لیے ناگزیر ہے۔ ہر مذہب اور مکتبہ فکر نے انسانی تربیت کے لیے تعلیم کو ضروری قرار دیا ہے۔ اسلام نے تمام مسلمانوں پر علم کو فرض کر دیا ہے۔ مغربی تعلیم کے بارے میں علامہ اقبال کا مشاہدہ مختلف رہا۔ انھوں نے سفرِ یورپ کے دوران میں وہاں کے تعلیمی اداروں اور نظامِ تعلیم کو بہت قریب دیکھنے کا موقع ملا۔ انھوں نے اسلامی اور یورپی تعلیم کا دقیق نظری سے مطالعہ و موازنہ کے بعد ان میں توازن کو ازحد ضروری قرار دیا۔ اس کا تذکرہ انھوں نے اپنے خطوط میں بھی کیا ہے۔ علامہ اقبال نے ایک خط پروفیسر ہائلر کو لکھا جس میں واضح کیا کہ مغربی تعلیم انسان کو مشینی سانچے میں ڈھالتی ہے جب کہ اسلامی تعلیم انسان کو انسان بناتی ہے۔ اُن کے الفاظ ملاحظہ کیجیے:

> "یورپی تعلیم انسان کو مشین بناتی ہے، اسلامی تعلیم اسے انسان بناتی ہے۔ اس میں روحانی اخلاق، سماجی ذمہ داری اور خالق سے تعلق شامل ہیں جو محض عقل کے دائرے سے باہر ہیں"۔(۱)

ڈاکٹر سلیم احمد نے اپنی کتاب "اقبال: شخصیت اور فن" میں اسے عیاں کیا ہے کہ علامہ اقبال تعلیم کو خودی کی بیداری اور نسلِ نو کو جو پیغامِ خودی دینا چاہتے تھے۔ اُن کی خواہش تھی کہ نوجوان صرف ڈگری کے حصول کے لیے تعلیم حاصل نہ کریں بل کہ اس کا مقصد اُن میں شعورِ خودی کو جگانا ہو۔ (۲) علامہ اقبال تعلیم کو ایسی روحانی رسائی قرار دیتے ہیں کہ جس کی مدد سے انسان راہِ راست کا تعین اور سچائی کا انکشاف کر سکتا ہے۔ ہائیلر کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

> "جرمن فکر وجدان کو تسلیم تو کرتی ہے لیکن اسے صرف ذہنی کیفیت سمجھتی ہے۔ جب کہ اسلامی فکر میں وجدان ایک روحانی انکشاف ہے۔ جو سچائی تک رسائی کا ایک مستقل ذریعہ ہے"(۳)

علامہ اقبال تعلیم کو خاص مقاصد کے حصول کے لیے لازمی سمجھتے تھے۔ انھوں نے مغربی تعلیم کے نقائص کا قریب سے مشاہدہ کیا۔ علامہ اقبال نوجوان نسل کی حالت دیکھ کر مسلمانوں کے شاندار ماضی میں محو ہو جاتے۔ مغربی تعلیم عاجزی کی بجائے تکبر سکھاتی ہے۔ بے ادبی پروان چڑھتی ہے۔ علامہ اقبال ایسی تعلیم کے قائل تھے جس سے نوجوان اپنی سخت کوشی سے زندگی کی تلخی کو شیرینی و حلاوت میں بدل دیں۔ اسی لیے انھوں نے نوجوانوں کی تن آسانی پر نوحہ خوانی کی ہے۔ اقبال نوجوانوں کو خود شکنی اور خارہ شگافی کا درس دیتے نظر آتے ہیں۔ انھوں نے واضح کر دیا کہ جدید تعلیم ہمدردی و ایثار سے عاری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جدید تعلیم کا حامل نوجوان دل سوزی اور چشمِ نم سے محروم ہے۔ تعلیم ایسی ہو جو معاشی خوشحالی کے ساتھ ساتھ غلامی سے آزادی کا درس بھی دے۔ جدید تعلیم میں انفرادی، قومی اور بین الاقوامی خامیوں کی نشاندہی اقبال کے مشاہدے

میں آئی۔علامہ اقبال نے اپنے قریبی مشاہدے سے واضح کیا ہے کہ مغرب میں لادینی کے سبب عشق مردہ ہے اور مشرق میں عقل بے ربطی افکار کی وجہ سے غلام ہے۔علامہ اقبال نے انکشافِ حقائق و تحقیق کے تین طریقے بیان کیے ہیں: مشاہدہ، استدلال اور تحقیق۔مشاہدہ فطرت سے ہی انسان حقیقی علم حاصل کرتا ہے۔شہد کی مکھی، ستاروں کی گردش اور آسمان، بادل وغیرہ سے انسان درس حاصل کرتا ہے یہ سب سماعت و بصارت سے علم میسر آتا ہے۔اقبال کی نظر میں استقرائی اور تجربی تحقیق کی بنیاد رکھنے والے مسلمان ہیں۔علامہ اقبال تعلیم کے ذریعے اجتماعی خودی ہے۔ تعلیم میں لادینیت سے خصوصاً مسلم ممالک میں کبھی بھی اچھے نتائج برآمد نہیں ہوں گے۔علامہ اقبال نے واضح کیا ہے کہ علم دو ہیں عقلی اور وجدانی۔اقبال نے عشق کے بغیر علم کو طاغوتی اور باعشق علم کو لاہوتی قرار دیا ہے۔مسلم خواتین کی تعلیم کے متعلق علامہ اقبال کی رائے ہے کہ یہ قومی بیداری کا پہلا قدم ہے جہاں مستقبل تشکیل پاتا ہے۔

علامہ اقبال کے نزدیک تعلیم کے مقاصد کیا تھے؟اس مقصد کی جانچ کے لیے ضروری ہے کہ اُن نزدیک تعلیم مقاصدِ خاص کے حصول کا ذریعہ ہے۔انھوں نے واضح کیا کہ تعلیم کا مقصد خودی، خودداری، ایثار اور حریت ہے۔

مغربی تعلیم پر تنقید کرتے ہوئے اس بات کو ظاہر کیا گیا ہے کہ یورپی ممالک میں تعلیم عاجزی کے بجائے غرور کی طرف لے جاتی ہے۔ ادب واحترام کے فقدان سے ہمدردی وایثار میں کمی واقع ہوتی ہے۔یہ وجہ ہے کہ جدید تعلیم نوجوان کو دل سوزی و چشم نم سے محروم کرتی ہے۔ایسے حالات میں نسلِ نو کی اصلاح از حد ضروری ہے۔اس کی سب سے اہم وجہ نوجوانوں کی تن آسانی ہے۔ جس پر علامہ اقبال نے ہمیشہ نوحہ خوانی کی ہے۔انھوں نے نوجوان کو سخت کوشی کا درس دیا ہے۔اس کی پہلی منزل یہی ہے کہ نوجوان اپنی ذات کو خود شکستگی سے خارہ شگافی کی طرف لے کر جائے۔ایسے میں علامہ اقبال نے مسلم نوجوان کو اُن کا عظیم الشان ماضی یاد دلایا ہے۔علامہ اقبال نے علم کی جو اقسام کا تذکرہ کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔عقلی علم(Reason-based knowledge)

۲۔وجدانی علم(Intuitive/spiritual knowledge)

علامہ اقبال کے نزدیک عشق ایک ایسا جذبہ ہے جو وسیع طاقت کا سرچشمہ ہے جس سے ہر چیز ممکن ہو سکتی ہے۔علامہ اقبال نے اس کا کئی مقامات پر تذکرہ کیا ہے کہ علم کو عشق سے مزین ہونا چاہیے۔سچے جذبے(عشق)کے بغیر علم طاغوتی طاقت بن جاتا ہے جو تعمیر کے بجائے تخریب کا باعث بنتا ہے۔اس کے برعکس عشق سے آگاہی حاصل کرنے والا علم حقیقی فہم وفراست کا باعث ہوتا ہے۔ایسے علم کی بدولت روحانی بلندی نصیب ہوتی ہے جس سے انسانی اقدار کو تقویت ملتی ہے۔ایسا علم کائنات کے لیے تعمیر کا سبب بنتا ہے۔اس لیے علامہ اقبال علم کے ساتھ ساتھ صاحبِ بصیرت کی صحبت وراہنمائی کے بھی قائل تھے۔

اقبال کے مطابق حصولِ علم کے ذرائع درج ذیل ہیں:

1. مشاہدہ
2. استدلال
3. تجربہ و تحقیق

علامہ اقبال نے مشاہدہ کے لیے فطرت کا اپنے کلام میں اکثر اوقات ذکر کیا ہے۔ فطرت بطور معلم انسانی تعلیم و تربیت میں نہایت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ شہد کی مکھی، ستارے، بادل، آسمان، جگنو، گائے، بکری، پہاڑ، گلہری وغیرہ ہمیں درس دیتے ہیں۔ ماہرینِ تعلیم اس بات سے واقف ہیں کہ ایسی تعلیم جو ان کے ماحول سے ہم آہنگ ہوگی اس کے اثرات تادیر اور بہتر برآمد ہوتے ہیں۔

اقبال کے مطابق اجتماعی خودی کی تکمیل میں تعلیم کا کردار ناقابل تردید حقیقت ہے۔ فرد سے معاشرے کی تکمیل میں تعلیم نہایت معاون صلاحیت ہے۔ انھوں نے اس امر کی بارہا تذکرہ کیا کہ انفرادی خودی کی تکمیل کے بعد فرد کو اجتماعی خودی کی تکمیل کے لیے اپنی ذات کو مٹا دینا چاہیے ۔ فرد کی تمام تر صلاحیتوں کا اظہار و استعمال قوم کی تکمیل و استحکام کے لیے ہونا چاہیے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ صرف مادیت نے معاشرے اور ماحول کے لیے منفی کردار ادا کیا ہے۔ مذہب و اخلاقیات کی بدولت معاشرہ پنپتا اور ترقی پاتا ہے۔ اس لیے علامہ اقبال نے اس پر زور دیا کہ لادینی تعلیم سے مسلم معاشرے کو دور رکھا جائے اور انھیں دین سے منسلک رکھا جائے البتہ جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ ضرور کیا جائے۔

علامہ اقبال کے تعلیم نظریات میں مشرق و مغرب کے تعلیم نظام کا بخوبی تقابل دیکھا جاسکتا ہے۔ ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء کا سفرِ یورپ اقبال پر عیاں کرتا ہے کہ اہلِ مغرب لادینیت کی وجہ سے قوتِ عشق سے محروم ہیں۔ ساتھ ہی انھوں نے اس بات کی بھی نشاندہی کی ہے کہ مشرق میں بے ربط افکار اور غلامانہ سوچ نے انھیں جدید دور کے تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر رکھا ہے۔

۱۹۱۱ء میں انھوں نے پروفیسری سے بھی اس وجہ سے استعفیٰ دیا کہ اس سے خودی کو زک پہنچتی ہے۔ انھوں نے اس کا تذکرہ بھی کیا کہ ہندوستانی ماحول میں ملازمت فرد کی تذلیل کا باعث ہے۔ ملازمت پر مکمل انحصار سے فرد کی آزادی ختم ہو جاتی ہے۔ اقبال کے نزدیک تعلیم کا مقصد صرف ملازمت کا حصول نہیں ہونا چاہئے بلکہ معلم کے لیے ضروری ہے کہ تعلیم میں تحقیق کی طرف بھی توجہ دے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال نے یکم ستمبر ۱۹۱۱ء کو پروفیسری کی نوکری سے استعفیٰ دینے کی دو وجوہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صاحب سے اس طرح بیان کیں:

"میں نے کچھ دنوں پروفیسری کی اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ ہندوستانی کالجوں کی پروفیسری میں علمی کام تو ہوتا نہیں، البتہ ملازمت کی ذلتیں ضرور سہنی پڑتی ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ طالب علموں کی حاضری سے متعلق گورنمنٹ کالج کے پرنسپل سے کچھ جھگڑا ہو گیا اور پرنسپل نے مجھ سے کچھ اس طرح گفتگو کی جیسے کوئی کلرک سے باتیں کرتا ہے۔ اس دن سے طبیعت کچھ اس طرح کھٹی ہوئی کہ دل میں ٹھان لی ہے کہ جہاں تک ہو سکے گا ملازمت سے گریز کروں گا۔ (۴)

اقبال صحیح معنوں میں تعلیم کی فکر رکھنے والے انسان تھے۔ ملازمت سے استعفیٰ دینے کے بعد وہ وکالت کو بطور پیشہ اپنانے میں بھی مطمئن نہ تھے۔ جسٹس شاہ دین مرحوم جو اس وقت ہائی کورٹ کے بطور جج تھے، ان کا بھی ڈاکٹر صاحب (اقبال) سے ہمیشہ یہی گلہ اور شکوہ رہا، وہ کہتے تھے:

"تم جیسے آدمی کا عدالت میں کوئی کام نہیں، تمھیں علمی زندگی کو بطور پیشہ کے اختیار کرنا چاہیے۔" (۵)

اقبال کو بھی اس بات کا احساس تھا کہ تدریسی شعبہ ان کے مزاج اور رجحان کے عین موافق ہے۔اس حوالے سے آپ اپنے ایک خط میں تحریر کرتے ہیں:

"لیفٹینینٹ گورنر، گورنمنٹ کالج لاہور کی پروفیسری کے لیے سیکرٹری آف اسٹیٹ سے میری سفارش کرنے پر آمادہ تھے لیکن اپنے میلان طبع کے خلاف اس آسامی کی اُمیدواری سے دست برداری کر لی۔"(٦)

خواتین کی تعلیم کے بغیر کوئی بھی معاشرہ پروان نہیں چڑھ سکتا۔علامہ اقبال نے تربیت کے حوالے سے تعلیم نسواں کو ضروری قرار دیا۔ ان کے مطابق قومی ترقی اور بیداری میں مسلم خواتین کا کردار پہلے قدم کی حیثیت رکھتا ہے۔اقوام کی تعمیر و ترقی میں تعلیم یافتہ خواتین کا بطور معمارِ مستقبل اپنے فرائض انجام دیتی ہیں۔علامہ اقبال نے بیگم شمس النہار محمود کو لکھا:

"مسلم عورت کی بیداری اس ملت کی روحانی بیداری کا پہلا قدم ہے۔"(٧)

علامہ اقبال عورت کی تعلیم کے بارے میں کیا مقاصد رکھتے تھے۔اس حوالے سے ڈاکٹر لبنیٰ ذکی لکھتی ہیں:

"اقبال کے نزدیک عورت کی تعلیم محض معلومات کا حصول نہیں بلکہ ایک فکری، روحانی اور تہذیبی تربیت ہے۔"(٨)

علامہ اقبال خواتین کی تعلیمی اہمیت سے آگاہ تھے۔اُن کے نزدیک اقوام کے مستقبل کی تشکیل و تربیت ماں کی گود میں ہوتی ہے۔اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

"تعلیمِ نسواں ایک ایسا فکری میدان ہے جہاں قوم کا مستقبل تشکیل پاتا ہے۔"(٩)

علامہ اقبال کی نظر میں تعلیم وہی مفید و معاون ہو گی جو چار صلاحیتوں کو پروان چڑھائے۔اول یہ کہ فرد کے کردار کو اعلیٰ اقدار کی روشنی میں تشکیل دے۔دوسری خاصیت کو کہ اقبال کے نزدیک نہایت اہم ہے فرد و قوم میں خودی کو بیدار کرے۔ تیسری خوبی یہی ہے کہ قوم کو غلامی سے نجات دلانے میں معاون ثابت ہو۔چوتھی اور آخری خاصیتِ تعلیم یہ ہے کہ عقل و عشق کو یکجا کرے تاکہ اس قوت کو مثبت مقاصد کے لیے استعمال میں لایا جا سکے۔

عہدِ اقبال میں بھی ایسی تعلیم جس سے بے ادبی کو فروغ ملے، مسلم معاشرے میں ہدفِ تنقید بنایا گیا ہے۔اکبر الٰہ آبادی (١٨٤٦ء-١٩٢١ء) نے مغربی تہذیب کی اس خامی کو اپنے کلام میں بھی پیش کیا۔علامہ اقبال اُن سے احترام و عقیدت کا تعلق رکھتے تھے۔انھوں نے انھیں اسلامی تہذیب و ثقافت کے لیے ضروری قرار دیا۔جدید تعلیم کی اس خامی کے بارے میں علامہ اقبال کی ظریفانہ شاعری زیادہ معنی خیز ہے۔خدمتِ استاد کے حوالے سے اُن کے اشعار ملاحظہ کیجیے:

تھے وہ بھی دن کہ خدمتِ استاد کے عوض
دل چاہتا تھا ہدیہ دل پیش کیجیے

بدلا زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق
کہتا ہے ماسٹر سے کہ "بل پیش کیجیے"(۱۰)

یہی وجہ ہے کہ اقبال نوجوان نسل کی اس حالت کو دیکھتے ہیں تو ان کا دل کڑھتا ہے۔ وہ نادم ہو کر عہد ماضی میں کھو جاتے ہیں۔ اقبال کی نظر میں جدید تعلیم نے نوجوان نسل کو بے ادب بنانے کے ساتھ ساتھ شیخی خور بھی بنایا ہے۔ اس حوالے سے ایک شعر ملاحظہ کیجیے:

تعلیم مغربی ہے بہت جرات آفریں
پہلا سبق ہے بیٹھ کے کالج میں مار ڈینگ (۱۱)

اقبال کو زیادہ تشویش اس بات کی رہی ہے کہ جدید تعلیم نے نوجوان نسل کو ظاہری رنگینی میں مبتلا کر کے اسے سہل پسندی کی طرف راغب کیا ہے۔ اقبال کی نظر میں یہ زندگی کا مقصد نہیں ہے، بل کہ مشقت اور جفاکشی سے زندگی میں مٹھاس پیدا ہوتی ہے۔ عہدِ شباب میں سختیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ہے شباب اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام
سخت کوشی سے ہے تلخِ زندگانی انگبیں(۱۲)

نوجوانوں کی سہل پسندی پر انھوں نے ہمیشہ نوحہ خوانی کی ہے۔ اقبال نوجوانوں سے مخاطب ہو کر اس کا اظہار "بالِ جبریل" میں اس طرح فرماتے ہیں:

ترے صوفے ہیں افرنگی، ترے قالیں ہیں ایرانی
لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی(۱۳)

"ضربِ کلیم" اُن کے انقلابی پیغام سے عبارت مجموعہ کلام ہے۔ اقبال پیر حرم کو نسلِ نو کی تربیت کے حوالے سے پھر یوں التجا کرتے ہیں:

اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت
دے ان کو سبق خود شکنی، خودنگری کا
تو ان کو سکھا خارہ شگافی کے طریقے
مغرب نے سکھایا انھیں فن شیشہ گری کا(۱۴)

ایسی تعلیم سے ہمدردی اور دردِ دل کی حساس کیفیت باقی نہیں رہتی۔ایسے میں انھوں نے واضح کیا ہے کہ جدید مغربی تعلیم اپنے اس فرض کی ادائیگی میں ناکام رہی ہے۔اُن کے چار مصرعے ملاحظہ کیجیے:

دل سوز سے خالی ہے نگاہ پاک نہیں ہے
پھر اس میں عجب کیا ہے کہ تو بیباک نہیں ہے

وہ آنکھ کہ ہے سرمہ افرنگ سے روشن
پرکار و سخن ساز ہے! نمناک نہیں ہے (۱۵)

اقبال نے جدید تعلیم کے ان نقائص اور خرابیوں کو واضح کیا ہے جو نوجوان نسل کی کردار سازی کی بجائے ان میں پائی جانے والی اعلیٰ قابلیت اور پوشیدہ صلاحیتوں کو بھی گھن لگا دیا ہے۔(۱۶)

اقبال نوجوان نسل کو سائنس و ٹیکنالوجی کے جدید تقاضوں کو ہم آہنگ کرنے کی طرف خاص توجہ دلاتے ہیں۔نوجوان نسل ایک طرف تو جدید تعلیم کی بدولت اپنی معاشی حالت بہتر بنائیں تو دوسری طرف غلامی کے طوق سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نجات حاصل کریں۔وہ ہمیشہ نوجوانوں کی یہی تلقین فرماتے رہے کہ حلال رزق کے ذریعے اپنی روحانی پرواز میں رفعت و بلندی پائیں۔اگر اُن کے روحانی سفر میں کسی ایسے رزق سے خلل پڑتا ہے تو ایسے میں موت بہتر ہے:

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس موت سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی(۱۷)

جدید تعلیم کا جو خواب دکھایا گیا کہ اس کی بدولت معاشی ترقی اور غربت و افلاس کا خاتمہ ہوگا۔اس خواب کی حقیقی تعبیر بھی نہ مل سکی۔ جدید تعلیم انسان میں فکر آزادی عطا کرتی ہے۔جدید تعلیم اپنی اس خوبی کے حصول میں بھی ناکام رہی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جدید تعلیم کی بدولت محض "آزاد خیالی" اور "روشن خیالی" کو ہی اپنا اصل مقصد سمجھا۔مغربی تعلیم کی وجہ سے روحانی بصیرت کا فقدان پیدا ہو گیا ہے، جب کہ دینی تعلیم دینے والے ادارے بے ربطیٔ فکر کی وجہ سے عہدِ حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ تعلیم دینے میں ابھی تک خام دکھائی دیتے ہیں۔اقبال فرماتے ہیں:

پختہ افکار کہاں ڈھونڈنے جائے کوئی
اس زمانہ کی ہوا رکھتی ہے، ہر چیز کو خام

مدرسہ عقل کو آزاد تو کرتا ہے مگر
چھوڑ جاتا ہے خیالات کو بے ربط و نظام
مردہ لا دینیِ افکار سے افرنگ میں عشق
عقل بے ربطیِ افکار سے مشرق میں غلام(۱۸)

اقبال کے جدید تعلیم پر تنقیدی خیالات کو جس تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ان کا جائزہ لیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ اقبال نے جدید تعلیم میں پائی جانے والی خامیوں کو تین صورتوں میں آشکار کیا ہے۔پہلی خامی انفرادی، دوسری قومی اور تیسری بین الاقوامی یا انسانی سطح کی ہے۔جدید مغربی تعلیم نے جوانانِ اسلام کو انفرادی طور پر احساس کمتری کا شکار بنایا ہے۔اس تعلیم نے تشکیلِ سیرت میں کوئی مثبت کردار ادا نہیں کیا۔ایسی تعلیم نے فرد کی انفرادی خودی اور خودداری کو بھی ختم کر دیا ہے۔یوں وہ یورپ کی ترقی سے مغلوب ہو کر رہ گیا ہے۔

جدید تعلیم کا ایک تاریک پہلو یہ سامنے آیا کہ مسلم نوجوان نسل قومی انحطاط کا شکار ہو گئی۔الحاد و لادینیت کی وجہ سے وہ ملتِ بیضا سے بالکل الگ ہو کر رہ گئی ہے۔جدید مغربی طرزِ تعلیم کی بدولت مسلمانوں کی نسلِ نو، انسانی یا بین الاقوامی سطح پر پستی و محرومی کا شکار ہوئی ہے اور وہ اپنی امتیازی تہذیب و تمدن کو فراموش کر بیٹھی۔(۱۹)

حصولِ تعلیم کا ایک کلیدی مقصد حقیقت کا ادراک ہے۔اقبال کی نظر میں انکشاف حقائق و تحقیقِ جدید کے تین اصول حسب ذیل ہیں:

1۔مشاہدہ فطرت(Observation of Natural Phenomena)
2۔استقرائی طرزِ استدلال(Inductive Method of Reasoning)
3۔تجربی طریق تحقیق(Experimental System)(۲۰)

اقبال نے جدید سائنس میں مشاہدہ فطرت کو تو بنیادی اور اولین رہنما اصول قرار دیا گیا ہے لیکن کلاسیکی یونانی فلسفہ تعلیم میں اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔یونانی فلسفہ کے پیشوا سقراط (۴۷۰ق م–۳۹۹ق م) اور ان کے قابل متعلم افلاطون (۴۲۸ق م–۳۴۷ق م) کی بھی یہی رائے تھی۔اقبال اسے ایک بڑی غلطی قرار دیتے ہیں۔انھوں نے مشاہدہ فطرت کو قرآن و حدیث سے ماخوذ قرار دیا ہے۔وہ رقم طراز ہیں:

" سقراط کی توجہ صرف عالم انسانی پر تھی۔اس کے نزدیک انسان کے مطالعے کا بہترین موضوع انسان ہی ہو سکتا ہے نہ کہ نباتات اور حشرات یا ستاروں کی دنیا۔مگر اس سے کس قدر مختلف ہیں قران پاک کی تعلیمات، جس کا ارشاد ہے کہ شہد کی مکھی ایسی حقیر شے بھی وحی الٰہی سے بہرہ ور ہوئی اور جس نے بار بار اس امر کی دعوت دی کہ ہواؤں کے مسلسل تغیر و تبدل کا مشاہدہ کیا جائے، نیز دن رات کے اختلاف، تاروں بھرے آسمان اور بادلوں کا جو فضائے لامحدود میں تیرتے پھرتے ہیں۔سقراط کے شاگرد رشید افلاطون کو بھی ادراک بالحواس سے نفرت ہی رہی۔اس کا خیال تھا کہ ادراک بالحواس سے کوئی حقیقی علم تو حاصل نہیں ہوتا، ہم اس کی بنا پر صرف ایک رائے

قائم کر سکتے ہیں۔ برعکس اس کے قرآن مجید نے سمع وبصر کا شمار اللہ تعالیٰ کے گراں قدر انعامات میں کیا اور عند اللہ اپنے اعمال وافعال کا جواب دہ ٹھہرایا۔"(۲۱)

اقبال نے یونانی فلسفے کے برعکس کائنات کے مشاہدے کو بھی حصول علم کا ذریعہ قرار دیا ہے۔اس سے ادراک بالحواس کے اس منفی نظریے کی نفی ہو جاتی ہے جسے یونانی فلاسفہ نے بیان کیا ہے۔ سماعت وبصارت فطرت کے بنیادی ذرائع میں سے ہیں۔ علامہ اقبال نے متعدد قرآنی آیات کا حوالہ دیتے ہوئے اپنے دعویٰ کو ثابت کیا ہے:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِن مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ

ترجمہ: "بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات دن کے بدلتے رہنے میں اور ان کشتیوں میں جو لوگوں کے نفع کی چیزیں لیے ہوئے سمندر میں چلتی پھرتی ہیں اور بارش کے پانی میں، جس کو اللہ آسمان سے برساتا ہے پھر اس کے ذریعہ سے مردہ زمین کو زندگی بخشتا ہے اور پھر پھیلاتا ہے اس میں ہر قسم کے جانور اور ہواؤں کی گردش میں اور ان بادلوں میں، جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں، ان سب میں بے شک نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔"(۲۲)

قرآنِ مجید کی تعلیمات نے ستاروں کو راستے کے کھوج و تعین کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ مشاہدہ انسان کو قانونِ فطرت سے آگاہی کا درس دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مظاہرِ فطرت کو تعلیم کا سبب بنایا ہے۔ ایسے میں بارش، نباتات، پھلوں اور پھولوں کا اُگنا انسان کے لیے مشاہدے کے ذریعے سیکھنے کا فطری طریقہ تدریس ہے۔ قرآنِ مجید میں اسے اہلِ ایمان کے لیے نشانیاں بتایا گیا ہے۔ اقبال نے بھی مشاہدے پر زور دیتے ہوئے غور و فکر کی تلقین کی ہے۔ قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَـكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِىْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ‌ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿6:97﴾ وَ هُوَ الَّذِىْۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ‌ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿6:98﴾ وَهُوَ الَّذِىْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً‌ ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَىْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا‌ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ‌ؕ اُنْظُرُوْۤا اِلٰى ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ‌ؕ اِنَّ فِىْ ذٰ لِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿6:99﴾

ترجمہ: "اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے تاروں کو صحرا اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ معلوم کرنے کا ذریعہ بنایا۔ دیکھو ہم نے نشانیاں کھول کر بیان کر دی ہیں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں اور وہ وہی ہے۔ جس نے ایک متنفس سے تم کو پیدا کیا پھر ہر ایک کے لیے ایک جائے قرار ہے اور اس کے سونپے جانے کی جگہ ہے۔ یہ نشانیاں ہم نے واضح کر دی ہیں، ان لوگوں کے لیے جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعے سے ہر قسم کی نباتات اگائی پھر اس سے ہرے بھرے کھیت اور درخت پیدا کیے پھر ان سے تہہ بہ تہہ چڑھے ہوئے دانہ لگائے اور کھجور کے شگوفوں سے پھلوں کے گچھے کے گچھے پیدا کیے جو بوجھ کے مارے جھکے پڑتے ہیں اور انگور، زیتون اور انار کے باغ لگائے، جن کے پھل ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور پھر ہر ایک کی خصوصیات

جدا جدا بھی ہیں۔ یہ درخت پھلتے ہیں تو ان میں پھل آنے اور پھر ان کے پکنے کی کیفیت ذرا غور سے دیکھو۔ ان چیزوں میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔"(۲۳)

قرآنِ کریم میں اس بات پر زور دیا ہے کہ کائنات کی ہر شے ایک خاص ترتیب و مقصد کے تحت تیار کی گئی ہے۔ سورج اور سائے کا مشاہدہ کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ دلیلِ خداوندی ہیں۔ سورۃ الفرقان میں سائے اور سورج کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَیْفَ مَدَّ الظِّلَّۚ-وَ لَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًاۚ-ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَیْهِ دَلِیْلًا(45)ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَیْنَا قَبْضًا یَّسِیْرًا(46)

ترجمہ: "تم نے نہیں دیکھا کہ تمھارا رب کس طرح سایہ پھیلا دیتا ہے؟ اگر وہ چاہتا تو اسے دائمی سایہ بنا دیتا۔ ہم نے سورج کو اس پر دلیل بنایا پھر ہم اس سائے کو رفتہ رفتہ اپنی طرف سمیٹتے چلے جاتے ہیں۔"(۲۴)

اقبال استقرائی طرز استدلال اور تجربی طریق تحقیق کے نہ صرف قائل تھے بلکہ آپ نے ان دونوں طریقہ تحقیق کی خوب تعریف اور ستائش بھی کی ہے۔ اقبال نے اس دعویٰ کی نفی کی ہے کہ جدید علوم یا موجودہ سائنس نے یونانی کلاسیکی اصولوں سے رہنمائی لی ہے۔ اقبال کا اس حوالے سے دعویٰ بڑا واضح ہے کہ:

"اسلام کا ظہور، عقل استقرائی کا ظہور ہے۔"(۲۵)

آپ نے ثابت کیا ہے کہ مسلمانوں نے ہی اکتساب علم کے دونوں ذرائع استقرائی طرز استدلال اور تجربی طریق تحقیق کی بنیاد رکھی ہے۔ اس حوالے سے وہ اپنے ایک خط میں رقم طراز ہیں:

"انگریزی کتابوں میں ہم ہندی مسلمانوں کو یہ سکھایا گیا ہے کہ منطق استقرائی کا موجد بیکن (Bacon) تھا۔ لیکن فلسفہ اسلامی کی تاریخ بتاتی ہے کہ یورپ میں اس سے بڑا جھوٹ آج تک نہیں بولا گیا۔ ارسطو کی منطق کی شکل اوّل پر سب سے پہلے اعتراض کرنے والا ایک مسلمان منطقی تھا۔ یہی اعتراض جان اسٹوارٹ مل کی کتابوں میں دہرایا گیا ہے اور مسلمانوں کا استقرائی طریق بیکن سے مدتوں پہلے سارے یورپ کو معلوم تھا۔"(۲۶)

اقبال نے اپنے خطبات "تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ" میں بھی یہی بات تحریر کی ہے کہ مسلم علماء و فضلاء نے بھی یونانیوں کے طرزِ استدلال اور طریقہ تحقیق کی تنقید اور اس میں پائے گئے نقائص و کمزوریوں کو نہ صرف عیاں کیا بلکہ انھوں نے جدید طرز استدلال اور طریقہ تحقیق کی صحیح معنوں میں بنیاد ڈالی ہے۔

اقبال اس حوالے سے اپنے ایک دوست کے نام خط میں تحریر کرتے ہیں:

"ڈیک آرٹ پر مضمون لکھنے کی اب مجھ میں ہمت باقی نہیں رہی۔ اگر آپ کو پیرس میں نوجوان عمر کا سکالر مل جائے تو اس سے یہ کہنا کہ ڈیک آرٹ کی مشہور کتاب Method کا امام غزالی کی "احیاء العلوم" سے مقابلہ کرے اور یورپ والوں کو دکھائے کہ ڈیک آرٹ اپنے Method کے لیے جس نے یورپ میں نئے علوم کی بنیاد رکھی کہاں تک مسلمانوں کا ممنون احسان ہے۔ مغربی فلسفہ کا مؤرخ Lawas یوں لکھتا ہے کہ اگر ڈیک آرٹ عربی زبان کا عالم ہوتا تو ہم اسے غزالی کی "احیاء العلوم" سے چوری کرنے کا الزام لگاتے لیکن اٹلی کا شاعر ڈانٹے بھی تو شاید عربی نہ جانتا تھا لیکن اس کی کتاب (Divine Comedy) شاید محی الدین ابن عربی کے افکار و تخیلات سے لبریز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے نتائج افکار عام طور پر یورپ میں مشہور تھے اور یورپ کے بڑے بڑے مفکر اور تعلیم یافتہ آدمی خواہ وہ عربی جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں عام طور پر اسلامی تخیلات سے آشنا تھے۔"(۲۷)

اقبال اپنے ایک مضمون "بچوں کی تعلیم و تربیت" میں تعلیم کے اولین مقصد کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ نفس ناطقہ قوا کا ایک مجموعہ نہیں ہے، بلکہ یہ اپنی ذات میں ایک واحد غیر منقسم شے ہے اور اس کی ہر ایک قوت کا نشو و نما ہر دوسری قوت کے نشو و نما پر منحصر ہے۔ جس طرح جسمانی اعضاء تناسب کے اصول کے مطابق بڑھتے ہیں، اسی طرح نفس ناطقہ کی نشو و نما بھی انھیں اصولوں کے تحت میں ہے۔ لہٰذا طریق تعلیم کامل وہی ہو گا جو نفس ناطقہ کے تمام قواعد کے لیے یکساں ورزش کا سامان مہیا کرے۔ ادراک، تخیل، تاثیر، مشیت، غرض کہ نفس ناطقہ کی ہر قوت تحریک میں آنی چاہیے کیونکہ کامل طریقہ تعلیم کا منشا یہ ہے کہ نفس ناطقہ کی پوشیدہ قوتیں کمال پذیر ہوں نہ یہ کہ بہت سی عملی باتیں جمع ہو جائیں۔"(۲۸)

اقبال کا تعلیم کے حوالے سے دوسرا اہم مقصد اجتماعی خودی ہے۔ اس حوالے سے وہ تحریر کرتے ہیں:

"علم النفس کے اصول سے جو لوگ واقف ہیں انھیں اچھی طرح معلوم ہے کہ نفس ناطقہ کی وہ کیفیت جسے استبصار یا ہوشیاری سے تعبیر کرتے ہیں، ذہنی حالتوں کے قاعدہ تواتر پر منحصر ہوتی ہے۔ جب نفس ناطقہ کے سلسلہ ہوشیاری میں خلل واقع ہو جاتا ہے تو نفس بیمار پڑ جاتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوائے حیوانی رفتہ رفتہ تحلیل ہو جاتے ہیں۔ یہی حالت اقوام کے نفس ناطقہ کی ہے، جس کا تسلسل اس اجتماعی تجربہ کے باقاعدہ انتقال پر ہے جو نسلاً بعد نسل قوم کو اپنے اسلاف سے میراث میں پہنچتا ہے۔ تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ اس توارث متوالیہ کی مئوید ہو کر نفس ناطقہ قومی کو استبصار کامل بنائے تا کہ وہ اپنی ذات کے ادراک پر قادر ہو سکے۔ فرد کا رابطہ اتحاد اس قوم کے ساتھ جس کا وہ جز ہے، اگر بڑھ سکتا ہے تو اس دانستہ کوشش سے۔ تعلیم کے ذریعے سے روایات مجتمع کے، جو مختلف اجزاء اس طور پر منتقل کیے جاتے ہیں، وہ نفس ناطقہ قومی میں جذب اور پیوستہ ہو کر ان چند افراد و قوم کے لیے میل و فرسنگ کا کام دیتے ہیں، جن کی پوری زندگی اور کل قابلیت و غور و فکر، قوم کے مختلف غایات و مقاصد کی منزلیں طے کرنے میں گزر جاتی ہے۔ مثلاً ایک قوم کی قانونی، تاریخی

اور علمی روایات، اس قوم کے مقننوں، مؤرخوں اور انشاء پردازوں کی چشم بصیرت کے سامنے ہر وقت نمایاں شکل میں موجود رہتی ہیں۔ اگرچہ قوم کو مجموعی حیثیت سے ان روایات کا ادراک موہوم و مبہم طور پر ہوتا ہے۔"(۲۹)

اقبال اس حوالے سے مزید لکھتے ہیں:

"قوم ایک جداگانہ تشخص رکھتی ہے، یہ خیال کہ اس کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں کہ یہ اپنے موجودہ افراد کا محض ایک مجموعہ ہے، اصولاً غلط ہے۔۔۔۔ قوم اپنے موجودہ افراد کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ اس سے بہت کچھ بڑھ کر ہے۔"(۳۰)

اقبال کا تعلیم کے حوالے سے تیسرا اہم مقصد قومی خودی کے استحکام پر منحصر ہے۔ اس حوالے سے انھوں نے ملی حیات کے لیے یک نفس اور جذبات کے ساتھ ایک دل ہو کر قانونِ مسلم کی پابندی کی تلقین کی ہے۔ اُن کے الفاظ ملاحظہ کیجیے:

"حیات ملّیہ کا کمال یہ ہے کہ افراد، قوم کے کسی آئین مسلم کی پابندی سے اپنے جذبات کے حدود مقرر کریں تاکہ انفرادی اعمال کا تبائن و تناقض مٹ کر تمام قوم کے لیے ایک قلب مشترک پیدا ہو جائے۔"(۳۱)

اقبال کے سیکولر تعلیم کے حوالے سے نظریات، ان کی فکر اور سیکولر تعلیم کے فرد، قوم اور مسلم معاشرے پر اس کے اثرات کی طرف خصوصی طور پر توجہ اور نشاندہی کی ہے۔ خاص طور پر اسلامی معاشرے پر ایسی تعلیم کے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ چونکہ اسلامی معاشرے کے لیے تعلیم کا مقصد اصلاح و فلاح ہے۔ اگر دین کو تعلیم سے خارج کر دیا جائے تو اس کے پوری دنیا اور خاص طور پر مسلم دنیا پر جو اثرات مرتب ہوں گے، اُن کے نتائج برے ہوں گے۔ ۱۹۳۳ء میں فرمانروائے افغانستان نادر شاہ کی طرف سے تین اہم شخصیات جن میں ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، سر راس مسعود (۱۸۸۹ء-۱۹۳۷ء) اور علامہ سید سلیمان ندوی (۱۸۸۴ء-۱۹۵۳ء) کو افغانستان میں افغان یونیورسٹی کے قیام اور نظام تعلیم پر مشاورت پر دعوت ملی تو اقبال نے روانگی سے پہلے ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو ایک اخبار کو ان الفاظ میں کہا:

"شخصی طور پر میں یقین رکھتا ہوں کہ تعلیم کو مکمل طور پر لادینی (Secular) بنا دینے سے کہیں بھی اور خصوصاً مسلم ممالک میں اچھے نتائج برآمد نہیں ہوتے۔"(۳۲)

علامہ اقبال نے یورپ کی یکسر غیر مذہبی تعلیم کے انجام سے آگاہ کیا ہے کہ اگر دینی عناصر کو بالکل ختم کر دیا جائے تو خود ساختہ انسانیت کا انجام جنگوں کی تباہی کی صورت میں برآمد ہوگا۔ یورپ کے مجموعی نظام تعلیم کے بارے میں انھوں ان الفاظ میں اظہار کیا ہے:

"بحیثیت مجموعی یورپ نے اپنے باشندوں کی تعلیم و تربیت میں سے مذہب کا عنصر حذف کر دیا ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کی بے لگام انسانیت کا کیا حشر ہوگا۔ شاید ایک نئی جنگ کی صورت میں وہ اپنی ہلاکت کا باعث خود ہی ہو۔"(۳۳)

فکر اقبال سیکولرازم کے حوالے سے بالکل واضح ہے۔ علامہ اقبال نے اسلامی نظامِ تعلیم کا مطالعہ نہایت دقیق نظری سے کیا۔ انھوں نے اپنی زندگی کا زیادہ حصہ اسلامی نظامِ حیات کو سمجھنے میں گزارا۔ انھیں اس کا بخوبی ادراک تھا کہ اسلامی نظام کی حقیقت تسلیم شدہ ہے جسے عنقریب بین الاقوامی سطح پر دیکھا جاسکے گا۔ وہ رقم طراز ہیں:

"میں نے اپنی زندگی کا بہترین حصہ اسلام، اس کے نظام شریعت وسیاست، اس کی ثقافت، اس کی تاریخ وادب کے بغور نظر مطالعہ میں گزارا ہے۔ اسلام کی روح (جو وقت پر اپنے آپ کو آشکارا کرتی ہے) سے اتصال دائمی نے مجھ میں ایسی بصیرت پیدا کردی ہے، جس کی رو سے، میں اسلام کی اہمیت کا ایک عالمی حقیقت کی حیثیت سے ادراک کر سکتا ہوں۔"(۳۴)

اقبال تاریخ سے واقف تھے۔ انھوں نے اس کا اظہار بھی کیا کہ اسلامی میں مسیحیت کے خدشات نہیں کہ کوئی لوتھر (۱۴۸۳ء-۱۵۴۶ء) آئے گا اور اسے بالکل بدل دے گا۔ اُن کے الفاظ ملاحظہ کیجیے:

"اسلام میں کسی لوتھر کا ظہور ممکن نہیں، کیونکہ اسلام میں کلیسا جیسی کسی ایسی تنظیم کا وجود نہیں ہے، جو ازمنہ وسطیٰ کی مسیحیت کے مشابہ ہو اور جو ایک مسمار کنندہ کو دعوت دیتی ہو۔"(۳۵)

اقبال کا اسلام میں روح اور مادہ کی ثنویت یا دین اور دنیا کے الگ ہونے کے حوالے سے بالکل واضح نظریہ ہے۔ انھوں نے واضح کیا کہ مادہ دراصل روح کا ہی نام ہے جو زمان ومکان میں مقید دکھائی دیتا ہے۔ اُن کی رائے ملاحظہ کیجیے:

"اسلام ذات انسانی کی وحدانیت کو روح اور مادہ کی ناقابل مفاہمت ثنویت میں تقسیم نہیں کرتا۔ اسلام کی رو سے خدا اور کائنات، روح اور مادہ، کلیسا اور مملکت ایک دوسرے کے لیے نامیاتی (Organic) (یعنی ایک دوسرے سے مربوط اور جڑے ہوئے) ہیں۔ انسان ایسی ناپاک دنیا کا باشندہ نہیں ہے، جس کو کسی ایسی روحانی دنیا کی دلچسپیوں کی خاطر جو کہیں پرے واقع ہے، ترک کردیا جائے۔ اسلام کے نزدیک مادہ، روح ہی ہے، جو اپنے آپ کو زمان ومکان کے قیود کے اندر جلوہ گر کرتا ہے۔"(۳۶)

اقبال نے علوم کا ذکر کیا ہے:

1۔ "علوم عقلی" جو انسان اپنی عقل اور فکر کو مرتب ومدون سے اخذ کرے۔
2۔ "علوم وجدانی" جو وحی الٰہی سے پیش کیے گئے ہوں اور ان میں انسانی عقل کا کوئی عمل دخل نہ ہو۔

اقبال علمِ بے عشق کو طاغوتی اور علم با عشق کو لاہوتی قرار دیتے ہیں۔ "جاوید نامہ" کے دو مصرعے ملاحظہ کیجیے:

علم بے عشق است از طاغوتیاں
علم با عشق است از لاہوتیاں(۳۷)

ترجمہ: جو علم عشق سے خالی ہے وہ شیطانوں کا علم ہے اور عشق والا علم لاہوتیوں کا علم ہے (عارفان الٰہی سے ہے)۔

اقبال کے نظریہ امتزاج علم و عشق کی عملی شکل کو گویا دو صورتوں میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے:

1. علم طبیعی کو پڑھانے سے قبل طلبہ کو قرآن مجید کی با معنی تدریس شروع کرائی جائے تاکہ طلبہ کے دل و دماغ پر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت بالکل واضح ثبت ہو جائے۔
2. جدید عمرانی علوم کی تدریس کی اصل روح میں اسلامی نظریہ حیات اور اسلامی تہذیب و اقدار کو اصل شکل میں شامل کیا جائے۔(۳۸)

اقبال نے اسلامی قومیت کی نوعیت کو دوسری تمام قومیت سے بالکل مختلف قرار دیا ہے۔ آپ نے اسلامی قومیت کے تصور کو واضح کرنے کے لیے اپنی شاعری، مقالات، مضامین اور خطبات پیش کیے ہیں۔ اقبال نے مولانا حسین احمد مدنی (۱۸۷۹ء-۱۹۵۷ء) کو اسلامی قومیت کے تصور کے حوالے سے اپنے خیالات کو یوں جواباً تحریر کیا:

"مسلمانوں اور دوسری قوموں میں اصولی فرق یہ ہے کہ قومیت کا اسلامی تصور دوسری اقوام کے تصور سے بالکل مختلف ہے، ہماری قومیت کا اصل اصول نہ اشتراک زبان ہے، نہ اشتراک وطن، نہ اشتراک اغراض اقتصادی بلکہ ہم لوگ اس برادری میں، جو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قائم فرمائی تھی، اس لیے شریک ہیں کہ مظاہر کائنات کے متعلق ہم سب کے معتقدات کا سر چشمہ ایک ہے اور جو تاریخی روایات ہم سب کو ترکہ میں پہنچی ہیں، وہ بھی ہم سب کے لیے یکساں ہیں۔ اسلام تمام مادی قیود سے بیزاری ظاہر کرتا ہے اور اس کی قومیت کا دارومدار ایک خاص تنزیہی تصور پر ہے، جس کی تجسیمی شکل وہ جماعت اشخاص ہے جس میں بڑھنے اور پھیلتے رہنے کی قابلیت طبعاً موجود ہے۔ اسلام کی زندگی کا انحصار کسی خاص قوم کے خصائل و شمائل مختصہ پر نہیں ہے۔ غرض اسلام زمان و مکان کی قیود سے مبرا ہے۔"(۳۹)

اقبال جدید علوم کے طریقہ کار کو اسلامی روح میں دیکھنے کے خواہاں تھے۔ آپ نے بڑے واضح الفاظ بیان کیا ہے:

"اسلامی یونیورسٹی کے خیال کا ہمارے دل میں پیدا ہونا حقیقت میں ہماری "قومی ہستی" کے حق میں ایک مبارک علامت ہے۔ جب ہم اپنی قوم کی نوعیت پر نظر ڈالتے ہیں تو اس قسم کے دارالعلوم کی ضرورت میں شک اور شبہ کی مطلق گنجائش نہیں رہتی بشرطیکہ یہ دارالعلوم ٹھیٹھ اسلامی اصولوں پر چلایا جائے۔ کوئی قوم اس رشتہ کو یک بہ یک نہیں توڑ سکتی، جو اسے اس کے ایام گزشتہ سے جوڑے ہوئے ہے اور مسلمانوں کے لیے تو اس تعلق کو توڑنا اور بھی محال ہے، جن کی مجموعی روایات، ان کی قومیت کی جان ہیں۔ مسلمانوں کو بے شک علوم جدیدہ کی تیز پا رفتار کے قدم بہ قدم چلنا چاہیے لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی تہذیب کا رنگ خالص اسلامی ہو اور یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ ایک ایسی یونیورسٹی موجود نہ ہو جسے ہم اپنی قومی تعلیم کا مرکز قرار دے سکیں۔ ہم کو یہ سمجھ لینا

چاہیے کہ اگر ہماری قوم کے نوجوانوں کی تعلیمی اٹھان اسلامی نہیں ہے تو ہم اپنی قومیت کے پودے کو اسلام کے آب حیات سے نہیں سینچ رہے ہیں اور اپنی جماعت میں پکے مسلمان کا اضافہ نہیں کر رہے ہیں جو بوجہ کسی اکتنازی یا اتحادی مرکز کے نہ ہونے کے اپنی شخصیت کو کسی دن کھو بیٹھے گا اور گرد و پیش کی ان قوموں میں سے کسی ایک قوم میں ضم ہو جائے گا جس میں اس کی بہ نسبت زیادہ قوت و جان ہو گی۔"(۴۰)

اقبال کے نزدیک اسلامی تحقیق کرنے والے نام نہاد تین گروہ ہیں جن میں: 1۔ مستشرقین 2۔ منحرفین 3۔ متجددین اور قدامت پسند؛ اقبال ان تینوں کے نقطہ ءنظر سے بالکل اتفاق نہیں کرتے بلکہ سخت مخالفت کرتے ہیں۔ آپ نے حقائق کی روشنی میں لکھا ہے:

"میں یورپین مستشرقین کا قائل نہیں کیونکہ ان کی تصانیف سیاسی پروپیگنڈہ یا تبلیغی مقاصد کی تخلیق ہوتی ہیں۔"(۴۱)

اقبال اپنے مشہور خطبہ "ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر" میں نام نہاد اسلامی ریسرچ کے حامل گروہ منحرفین کے بارے میں بڑے سخت انداز میں مذمت کی ہے۔ انھوں نے بیان کیا ہے:

"ایک قلیل البضاعت مسلمان، جو سینہ میں ایک درد بھرا اسلامی دل رکھتا ہو، میری رائے میں قوم کے لیے بمقابلہ اس بیش قرار تنخواہ پانے والے آزاد خیال گریجویٹ کے زیادہ سرمایہ نازش ہے، جس کی نظروں میں اسلام اصول زندگی نہیں ہے بلکہ محض ایک آلہ جلب منفعت ہے، جس کے ذریعے سے بڑے بڑے سرکاری عہدے زیادہ تعداد میں حاصل کیے جا سکتے ہیں۔"(۴۲)

اقبال مجددین اور قدامت پسند گروہ کے بھی سخت مخالف ہیں۔ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اجتہاد کرنا ہر شخص کے لیے آسان بات نہیں ہے۔ مجتہد کے لیے قابلیت اور صلاحیتوں کا ہونا لازم ہے۔ محض چند الٹی سیدھی کتابیں پڑھ لینے سے مجتہد نہیں کہلایا جا سکتا ہے۔ اقبال نے قدامت پسند طبقہ میں پائی جانے والی تنگ نظری اور ان کے اسلاف پرست ہونے سے متعلق تحریر کرتے ہیں:

"وہ (قدامت پسند علماء) یہ چاہتے تھے کہ جیسے بھی ممکن ہو، اسلام کی ہیئت اجتماعیہ محفوظ رہے۔"(۴۳)

اقبال اسلامی فکر کو فلسفہ جدیدہ اور افکار و نظریات عصر حاضرہ کے نئے علمی اصطلاحات و جدید تکنیکی زبان کے حوالے سے مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر صاحب زادہ آفتاب احمد خان کو اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

"زندگی کے متعلق ملت کے زاویہ نگاہ میں وسعت کے دوش بدوش ملت کی روحانی ضرورتیں بھی بدلتی رہتی ہیں۔ فرد کی حیثیت، اس کی دماغی نجات و آزادی اور طبعی علوم کی غیر متناہی ترقی ان چیزوں میں جو تبدیلی واقع ہوئی ہے اس نے جدید زندگی کے اساس کو یکسر متغیر کر دیا ہے۔ چنانچہ جس قسم کا علم کلام یا علم دین ازمنہ متوسط کے مسلمان کی تسکین کے لیے کافی ہوتا تھا وہ آج تسکین بخش نہیں ہے۔ اس سے مذہب کی روح کو گزند پہنچانا مقصود نہیں ہے لیکن اس سے یقینا روایتی افکار کی تردید ہوتی ہے۔ اگر اسلامی زندگی کا احیا اور

ابتدائی گہرائیوں کو دوبارہ حاصل کرنا مقصود ہے تو تفکر دینی کی از سر نو تعمیر قطعاً لازمی ہے۔ جہاں تک روحانیت کا تعلق ہے، عمومی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ قدیم تر دینیات فرسودہ خیالات کی حامل ہے اور جہاں تک تعلیم کا تعلق ہے، جدید مسائل کے طلوع اور قدیم مسائل کی طرح نو کے مقابلہ میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔"(۴۴)

اقبال کو اس بات کا افسوس رہا کہ موجودہ مسلم مفکرین اور علماء نے اس جانب کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ بین الاقوامی تغیر و تبدل کی بنا پر اس طرف توجہ کی ضرورت ہے۔ انھوں نے اس اُمید ظاہر کی کہ مستقبل میں اُمتِ مسلمہ اس جہت کی طرف توجہ کرے گی:

"جہاں تک مجھے علم ہے علماء نے فکر اسلامی کو فلسفہ عہد حاضر کی روشنی میں از سر نو ترتیب دینے کی کوئی کوشش نہیں فرمائی۔ لیکن دنیائے اسلام میں جو حوادث پیش آرہے ہیں ان کی بنا پر یقین ہوتا ہے کہ اس طرف ضرور توجہ ہو گی۔"(۴۵)

آپ نے اس حوالے سے مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر صاحب زادہ آفتاب احمد خان (۱۸۶۷ء–۱۹۳۰ء) کو ایک خط میں لکھا کہ دانشِ مسلم کو نئی راہوں کی طرف گامزن کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ جدید علم الکلام کی بدولت تعمیرِ ملت کا فریضہ انجام دے سکے:

"آج ضرورت ہے کہ دماغی اور ذہنی کاوش کو نئے راستوں کی طرف مہمیز کیا جائے اور ایک نئی دینیات اور علم کلام کی تعمیر و تشکیل میں اس کو بر سر کار لایا جائے۔"(۴۶)

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر صاحب زادہ آفتاب احمد خان اکثر علامہ محمد اقبال سے اسلامی ریسرچ کے حوالے سے مشاورت لیتے رہتے تھے۔ آپ خطوط کے ذریعے اسلامی ریسرچ کے حوالے سے اُن کے سوالات کے جوابات ارسال کرتے رہتے تھے۔ انھوں نے علوم اسلامیہ کو مسلم یونیورسٹی میں تعلیمی لحاظ سے ایک جامع اسکیم مرتب کی جس کے درج ذیل چار مقاصد تھے:

"(1) بہتر و مسلمہ جامعیت کے علماء پیدا کرنا۔

(2) ایسے عالم پیدا کرنا جو اسلامی افکار و ادبیات کے مختلف شعبوں میں اپنی "تحقیقات" سے اسلامی تمدن اور موجودہ علوم کے درمیان حیات دماغی کا جو تسلسل پایا جاتا ہے اس کی از روئے نشو و نما جستجو کریں۔

(3) ایسے عالموں کا تیار کرنا، جو اسلامی تاریخ، آرٹ (فنون) اور علم تہذیب و تمدن، سائنس اور فلسفہ کے مختلف پہلوؤں پر حاوی ہوں۔

(4) ایسے عالموں کا پیدا کرنا جو اسلام کے قانونی لٹریچر میں تحقیق کو تدقیق (ریسرچ) کے لیے موزوں ہوں۔"(۴۷)

اقبال نے معاشی و صنعتی ترقی کو اقوام کے استحکام وبقا کے لیے لازم قرار دیا۔ انھوں نے واضح کیا کہ ترقی و خوش حالی کے لیے صنعتی تعلیم از حد ضروری ہے۔ صنعتی تعلیم کے فروغ سے روزگار کے نئے مواقع میسر آتے ہیں اور ملکی معیشت بہتری کی طرف گامزن ہوتی ہے۔ صنعتی تعلیم کو فروغ دیئے بغیر ملکی ترقی ناممکن ہے۔ اقبال صنعتی تعلیم کی اہمیت کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

"اس وقت قومی زندگی کے شرائط میں، جو حیرت ناک انقلاب آیا ہے، میری رائے میں اس کی سب سے بڑی خصوصیت صنعت و تجارت ہے۔ ایشیائی قوموں میں سے، جاپانیوں نے سب سے پہلے اس تغیر کے مفہوم کو سمجھا اور اپنے ملک کی صنعت کو ترقی دینے میں ایسی سرگرمی سے مصروف ہوئے کہ آج یہ لوگ دنیا کی مہذب اقوام میں شمار ہوتے ہیں۔ اس امتیاز کی وجہ یہ نہیں ہے کہ جاپانیوں میں بڑے بڑے فلسفی یا شاعر یا ادیب پیدا ہوئے ہیں بلکہ جاپانیوں کی عظمت کا دارو مدار صنعت پر ہے۔"(۴۸)

اقبال نے صنعتی تعلیم کو بھی اسلامی تناظر میں پرکھا اور دیکھا۔ آپ نے اس حوالے سے صنعتی تعلیم پر اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

"ہمیں صنعتی تعلیم پر بھی ضرور اپنی توجہ صرف کرنی چاہیے جو میری رائے میں اعلیٰ تعلیم سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ صنعتی تعلیم سے عامہ خلائق کی ایک اقتصادی حالت سدھرتی ہے اور یہی طبقہ قوم کے لیے بمنزلہ ریڑھ کی ہڈی کے ہے۔ بخلاف اس کے اعلیٰ تعلیم صرف ان چند افراد کو نفع پہنچاتی ہے جن کی دماغی قابلیت درجہ اوسط سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ ہمارے اغنیا کے بزل وجود کا مصرف ایسا ہونا چاہیے کہ عام مسلمانوں کے بچے ارزاں صنعتی تعلیم حاصل کر سکیں۔ لیکن صنعتی اور تجارتی تعلیم بِلا کسی اخلاقی تربیت کے بجائے خود کافی و مکتفی نہیں ہے۔ اقتصادی مقابلہ میں تربیت کے اخلاقی عنصر کی کچھ کم ضرورت نہیں پڑتی۔ اعتماد باہمی، دیانتداری، پابندی اوقات اور تعاون وہ اقتصادی اوصاف ہیں جو مہارت فن کی برابر کی جوڑ ہیں۔ ہندوستان میں بہت سے کارخانے محض اس لیے نہ چل سکے کہ کارخانوں کو نہ ایک دوسرے پر بھروسہ تھا اور نہ اصول امداد باہمی ان کا رہنما تھا۔ اگر ہم اچھے کاریگر، اچھے دکاندار، اچھے اہل حرفہ اور (سب سے بڑھ کر یہ کہ) اچھے شہری پیدا کرنا چاہتے ہیں، تو ہمیں چاہیے کہ انہیں اول پکا مسلمان بنائیں۔"(۴۹)

علامہ اقبال مطلقاً آزاد نظامِ تعلیم کے بارے میں اپنی الگ رائے رکھتے تھے جس کا اظہار انھوں نے مختلف مواقع پر کیا۔ مشہور ماہر تعلیم سر پرسی نن (۱۸۷۰ء-۱۹۴۴ء) نے بھی اقبال کے نظریہ کی تائید کی ہے۔ اُن کے الفاظ ملاحظہ کیجیے:

"یہ بات کافی حد تک صاف اور واضح ہے کہ انسان جیسا کچھ بنتا ہے، وہ اس ردعمل کے نتیجہ کے طور پر بنتا ہے جو اس کے معاشرتی ماحول سے پیدا ہوتا ہے اور معاشرتی ماحول کا مطلب ہے اس کے والدین، بھائیوں، سکول کے ساتھیوں، استادوں، ہمجولیوں، دوستوں، دشمنوں، آجروں، مزدوروں سے میل جول کے اثرات۔ ان صریح واقعات سے انکار کرنا، یا ان کی اہمیت کو گھٹانا، دراصل حقیقت سے عجیب و غریب انداز میں آنکھیں بند کر لینے کے مترادف ہے۔"(۵۰)

علامہ اقبال اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ ہر قوم کو اپنی ضروریات کے تحت نظامِ تعلیم تشکیل دینا چاہیے۔ انھوں نے اپنی ڈائری میں تعلیم علی الاطلاق کے برعکس رائے دیتے ہوئے تحریر کیا:

"میں تعلیم علی الاطلاق (یا مطلقاً آزاد تعلیم) کا قائل نہیں ہوں۔ دیگر تمام امور کی طرح تعلیم کا تعین بھی ایک قوم کی ضروریات کے ماتحت ہونا چاہیے۔"(۵۱)

اکتوبر ۱۹۳۳ ءمیں اقبال نے کابل میں نادر شاہ والی افغانستان کی دعوت پر جانے سے قبل اخبارات کے نام اپنے بیان میں واضح طور پر کہا:

"شخصی طور پر یقین رکھتا ہوں کہ تعلیم کو مکمل طور پر لادینی (Secular) بنادینے سے کہیں بھی اور خصوصاً مسلم ممالک میں اچھے نتائج برآمد نہیں ہوئے اور نہ کوئی تعلیمی نظام علی الاطلاق (Absolute) ہو سکتا ہے ہر ملک کی اپنی ضروریات ہیں اور ان ہی ضروریات کی روشنی میں اس کے تعلیمی مسائل پر گفتگو ہونی چاہیے اور انھیں حل کرنا چاہیے۔"(۵۲)

اقبال نے مسلمانان برعظیم کے سامنے جو قومی نظام تعلیم کا نمونہ بھی پیش کیا ہے۔اس تعلیم نمونے کے عملی اہداف کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"میری رائے میں قومی سیرت کا وہ اسلوب جس کا سایہ عالمگیر کی ذات نے ڈالا ہے، ٹھیٹھ اسلامی سیرت کا نمونہ ہے اور ہماری تعلیم کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ اس نمونے کو ترقی دی جائے اور مسلمان ہر وقت اسے پیش نظر رکھیں۔"(۵۳)

اقبال اس بات پر توجہ دلاتے ہیں کہ اسلامی افکار کی روشنی میں ہی مسلم معاشرے کی بنیاد رکھی جائے تاکہ ملت و معاشرہ اپنی اساسی اقدار و روایات اور تصورات کا شعور وادراک رکھتے ہوئے تشکیلِ ملت اور استحکام و ترقی کے مراحل کا تعیّن کرسکے۔الغرض اقبال نے یہ واضح کیا ہے کہ مشاہدہ فطرت، استقرائی طرز استدلال اور تجربی طریق تحقیق، یہ تینوں ایسے راہنما اصول ہیں جن کی بدولت جدید نظام تعلیم قائم ہوا ہے۔ تعلیم کا حصول مشاہدے، استدلال سے کرتے ہوئے علم کو عشق کے لافانی جذبے سے ہم آہنگ کیا جائے تاکہ مادی ترقی کے ساتھ ساتھ روحانی ارتقاو بصیرت کی منازل بھی طے کی جاسکیں۔مادی ترقی اور معرفتِ الہٰی اُن کے نظریۂ تعلیم کا حاصل ہے۔

نتائج:

1. اقبال کے نظریۂ تعلیم میں بنیادی مقصد فرد کی خودی کو بیدار کرنا اور اس کی شخصیت کو مضبوط بنانا ہے۔ان کے نزدیک فرد کی خودی کا استحکام محض انفرادی سطح تک محدود نہیں رہتا بلکہ وہ اجتماعی خودی کی تشکیل میں بھی بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔چنانچہ تعلیم فرد کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ اپنی شخصیت کی تعمیر کے ساتھ معاشرے کے استحکام میں بھی معاون کردار ادا کرے۔اقبال کے نزدیک انفرادی خودی کا عروج ہی اجتماعی خودی کی تشکیل اور فلاح کا ضامن ہے۔اس طرح تعلیم فرد کی داخلی شخصیت کو مضبوط کرکے اسے اجتماعی زندگی کے مؤثر عنصر میں تبدیل کرتی ہے۔
2. فکرِ اقبال میں تعلیم کے لیے قدرتی مشاہدہ، استقرائی استدلال اور تجرباتی تحقیق کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ان کے نزدیک علم کے حقیقی ذرائع حسی ادراک اور تجربہ ہیں، جبکہ یونانی فلسفے کی تجریدی اور مابعد الطبیعیاتی تفصیلات کو علم کا واحد ذریعہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔اقبال کی تعلیمی فکر میں قدرتی مشاہدہ اور تجربہ علمی تحقیق کے اہم ذرائع ہیں، جنھیں قرآن و سنت کی تعلیمات سے اخذ کیا جاسکتا ہے۔اس طرح تعلیم مشاہدے، تجربے اور استقرائی استدلال کے ذریعے حقیقت کی تفہیم سے وابستہ ہو جاتی ہے۔

3. اقبال نے روایتی اور مغربی نظامِ تعلیم کے مابین ہم آہنگی پر زور دیا تاکہ دونوں نظاموں کے تصورات اور حکمتوں کا عمیق مطالعہ ممکن ہو۔ تاہم ان کی تعلیمی فکر محض مادی علم پر انحصار کرنے والی سیکولر تعلیم پر تنقید کرتی ہے، کیونکہ ایسا انحصار انسان کو روحانی ترقی سے محروم کر دیتا ہے۔ اقبال کے نزدیک تعلیم کا ایسا نظام مطلوب ہے جس میں جدید تعلیم اور روحانی تعلیم کا امتزاج ہو اور جو انسان کی اخلاقی و ذہنی نشوونما میں توازن پیدا کرے۔ اس اعتبار سے اقبال کی تعلیمی فکر مادی علم کو روحانی تربیت سے مربوط کرتی ہے۔

4. اقبال کے مطابق تعلیم فرد کی خودی کو بیدار کر کے اس کی شخصیت کو مضبوط بناتی ہے اور یہی مستحکم فرد اجتماعی خودی کی تعمیر میں حصہ لیتا ہے۔ انفرادی اور اجتماعی خودی ایک دوسرے سے جدا نہیں بلکہ باہم مربوط ہیں۔ فرد کی خودی کا عروج اجتماعی خودی کی تشکیل اور فلاح کا ضامن ہے، اس لیے فرد کی شخصیت کا استحکام بالآخر معاشرے کے استحکام کا ذریعہ بنتا ہے۔ یوں تعلیم انفرادی خودی کی بیداری اور اجتماعی خودی کی تشکیل کے درمیان اشتراک و ہم آہنگی پیدا کرتی ہے۔

5. عصرِ حاضر میں اقبال کا نظریۂ تعلیم مادی اور روحانی تعلیم کے امتزاج کے ذریعے توازن قائم کرنے کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اقبال کی تعلیمی فکر میں مادی اور روحانی علم کا ایسا امتزاج موجود ہے جو انسان کو ایک طرف کائنات کے مادی حقائق سے آشنا کرتا ہے اور دوسری طرف روحانی ارتقا کی طرف راغب کرتا ہے۔ وہ محض مادی علم پر انحصار کرنے والی سیکولر تعلیم کو ناکافی قرار دیتے ہیں، جبکہ علم اور عشق کے امتزاج کو معرفت کی اصل روح قرار دیتے ہیں۔ اس امتزاج سے انسان کو دانش کے ساتھ دل کی افزائش اور سکون بھی حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ روحانی اور جدید تعلیم کا امتزاج انسان کی اخلاقی اور ذہنی نشوونما میں توازن پیدا کرتا ہے۔

سفارشات:

1. تعلیمی نظام میں ایسے نصاب اور سرگرمیوں کو شامل کیا جائے جو طلبہ وطالبات میں خود اعتمادی، خود شناسی، کردار سازی اور مقصدِ حیات کا شعور پیدا کریں۔

2. اقبال کے تصورِ تعلیم کی روشنی میں طلبہ وطالبات کو محض نظری معلومات تک محدود رکھنے کے بجائے مشاہدہ، تحقیق، تجربہ اور تخلیقی فکر کے مواقع فراہم کیے جائیں۔

3. تعلیمی نظام میں اسلامی و مشرقی اقدار کو جدید سائنسی اور فنی علوم کے ساتھ ہم آہنگ کیا جائے تاکہ ایسے افراد تیار ہوں جو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ اپنی تہذیبی شناخت بھی برقرار رکھیں۔

4. تعلیم کو صرف حصولِ روزگار کا ذریعہ بنانے کے بجائے فرد کی اخلاقی و روحانی تربیت اور معاشرتی ذمہ داری کے احساس کا ذریعہ بنایا جائے، تاکہ تمام افراد باکردار، فعال اور ذمہ دار معاشرے کی تشکیل میں مؤثر کردار ادا کر سکیں۔

حواشی و حوالہ جات

1. نذیر نیازی سید (مرتب) اقبال کے غیر مطبوعہ خطوط (لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1957ء) ص 65

2. سلیم اختر ڈاکٹر، اقبال: شخصیت اور فن (کراچی، انجمن ترقی اردو، 2007ء) ص، 119
3. نذیر نیازی سید (مرتب) اقبال کے غیر مطبوعہ خطوط (لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1957ء) ص، 76
4. غلام دستگیر رشید، آثار اقبال، مرتبہ، (حیدر آباد: ادارہ اشاعتِ اردو، ۱۹۴۶ء) ص 22، 23
5. عبدالسلام ندوی مولانا، اقبال کامل، (اعظم گڑھ: دارالمصنفین، مطبع معارف اعظم گڑھ، ۱۹۴۸ء)، ص 13
6. عطاءاللہ شیخ، اقبال نامہ، مرتبہ (مکاتیب اقبال) حصہ دوم، (لاہور: شیخ محمد اشرف، ۱۹۵۱ء)، ص 118
7. سلمیٰ رؤف ڈاکٹر، اقبال اور خواتین کا سماجی شعور (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۰۹ء)، ص ۶۷
8. لبنیٰ ذکی ڈاکٹر، تعلیم نسواں اور فکرِ اقبال (کراچی: ادارہ افکارِ اقبال، ۲۰۱۸ء) ص ۶۹
9. غلام مصطفیٰ خان ڈاکٹر، اقبال کا فکری ورثہ، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۶ء) ص ۱۱۲
10. اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۲۱ء)، ص ۳۱۷
11. اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۲۱ء)، ص ۳۱۶
12. اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۲۱ء)، ص ۴۴۸
13. اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۲۱ء)، ص ۴۴۷
14. اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۲۱ء)، ص ۵۷۱
15. اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۲۱ء)، ص ۳۶۹
16. محمد احمد خاں ڈاکٹر، اقبال اور مسئلہ تعلیم، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، طبع دوم ۲۰۲۱ء)، ص 65
17. اقبال، کلیات اقبال اردو، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۱۸ء)، ص 385
18. اقبال، کلیات اقبال اردو، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۱۸ء)، ص 594
19. محمد احمد خاں ڈاکٹر، اقبال اور مسئلہ تعلیم، ص 78
20. محمد احمد خاں ڈاکٹر، اقبال اور مسئلہ تعلیم، ص 23
21. نذیر نیازی سید، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ، (لاہور: بزم اقبال ۱۹۵۸ء)، ص 5
22. سورۃ البقرہ: آیت ۱۶۴
23. سورۃ الانعام: آیت ۹۷ تا ۹۹
24. سورۃ الفرقان: آیت ۴۵ تا ۴۶
25. علامہ اقبال، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ، مترجمہ سید نذیر نیازی، (لاہور: بزم اقبال ۱۹۵۸ء)، ص 193
26. شیخ عطاءاللہ شیخ، اقبال نامہ، مرتبہ (مکاتیب اقبال) حصہ دوم، ص 343
27. ایضاً، ص 342
28. عبدالواحد معینی سید، مقالات اقبال، مرتبہ، (لاہور: اشرف پریس، مئی ۱۹۶۳ء)، ص 9
29. ایضاً، ص 131
30. ایضاً، ص 118
31. ایضاً، ص 191
32. لطیف احمد شیروانی، مرتبہ، اقبال کی تقریریں اور بیانات، طبع دوم ستمبر ۱۹۴۸ء، ص 206

33. اقبال نامہ، حصہ دوم،(لاہور: دین محمدی پریس ۱۹۵۱ء)، ص282
34. لطیف احمد شیروانی، مرتبہ، اقبال کی تقریریں اور بیانات ص2
35. ایضاً، ص6
36. ایضاً، ص5
37. کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص ۵۴۸
38. ڈاکٹر محمد احمد خاں، اقبال اور مسئلہ تعلیم، ص166
39. سید عبدالواحد معینی، مقالات اقبال، مرتبہ،(لاہور: اشرف پریس، مئی ۱۹۶۳ء)، ص119، 120
40. ایضاً، ص134، 135
41. عطاءاللہ شیخ، اقبال نامہ، مرتبہ، حصہ اوّل،(لاہور: شیخ محمد اشرف مطبوعہ مرکنٹائل پریس، ۱۹۴۴ء)، ص396
42. عبدالواحد معینی سید، مقالات اقبال، مرتبہ،(لاہور: اشرف پریس، مئی ۱۹۶۳ء)، ص134
43. نذیر نیازی سید، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ، مترجمہ ص232
44. عطاءاللہ شیخ، اقبال نامہ، جلد اوّل، مرتبہ،(لاہور: شیخ محمد اشرف مطبوعہ مرکنٹائل پریس، ۱۹۴۴ء)، ص470، 471، 472
45. عطاءاللہ شیخ، اقبال نامہ، مرتبہ، حصہ دوم شائع کردہ شیخ محمد اشرف مطبوعہ دین محمدی پریس لاہور ۱۹۵۱ء، ص235
46. اقبال ریویو (کراچی: اقبال اکادمی پاکستان، اکتوبر ۱۹۶۲ء)، ص3
47. عطاءاللہ شیخ، اقبال نامہ، ص213 تا 215
48. عبدالواحد معینی سید، مقالات اقبال، ص20، 21
49. ایضاً، ص141، 142
50. Sir Percy Nun, Education: It's Data and First Principles, London 3rd Edition 1949, P 11
51. Allama Iqbal, Stray Reflections, author; edited by; Javed Iqbal (Lahore: Iqbal Academy Pakistan, June 1961), p. 30
52. لطیف احمد شیروانی، مرتبہ، اسپیچس اینڈ سٹیٹمنٹس آف اقبال، طبع دوم ستمبر ۱۹۴۸ء، ص206
53. عبدالواحد معینی سید، مقالات اقبال، ص128

کتابیات

- القرآن الحکیم
- خاں محمد احمد، ڈاکٹر، اقبال اور مسئلہ تعلیم، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، طبع دوم ۲۰۲۱ء
- اقبال، علامہ، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ، مترجمہ سید نذیر نیازی، لاہور: بزم اقبال، ۱۹۵۸ء
- اقبال، علامہ محمد، کلیاتِ اقبال اردو، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۲۱ء
- اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی)، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۳ء
- خان، غلام مصطفی ڈاکٹر، اقبال کا فکری ورثہ، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۶ء
- غلام دستگیر، رشید، آثار اقبال، مرتبہ، حیدر آباد: ادارہ اشاعتِ اردو، ۱۹۴۶ء

- سلمیٰ رؤف ڈاکٹر، اقبال اور خواتین کا سماجی شعور، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۰۹ء
- سلیم اختر ڈاکٹر، اقبال: شخصیت اور فن، کراچی: انجمن ترقی اردو، ۲۰۰۷ء
- عطاءاللہ، شیخ، اقبال نامہ، حصہ اوّل، مرتبہ، لاہور: شیخ محمد اشرف مطبوعہ مرکنٹائل پریس، ۱۹۴۴ء
- عطاءاللہ، شیخ، اقبال نامہ، مرتبہ (مکاتیب اقبال) حصہ دوم، لاہور: شیخ محمد اشرف، ۱۹۵۱ء
- لبنیٰ ذکی ڈاکٹر، تعلیم نسواں اور فکرِ اقبال، کراچی: ادارہ افکارِ اقبال، ۲۰۱۸ء
- عبدالواحد معینی سید، مقالات اقبال، مرتبہ، لاہور: اشرف پریس، مئی ۱۹۶۳ء
- عبدالسلام ندوی مولانا، اقبال کامل، اعظم گڑھ: دارالمصنفین، ۱۹۴۸ء
- نذیر نیازی سید (مرتب) اقبال کے غیر مطبوعہ خطوط، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1957ء
- Iqbal, Allama, Stray Reflections, author; edited by; Javed Iqbal , Lahore: Iqbal Academy Pakistan, June 1961
- Percy Nun , Sir, Education: It's Data and First Principles, London 3rd Edition 1949
- Shamloo (compiler), Speeches and Statements of Iqbal, Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 1948.

رسائل

- اقبال ریویو، کراچی: اقبال اکادمی پاکستان، اکتوبر ۱۹۶۲ء